وحدتِ ملّی کی دو حقیقی بُنیادیں

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

یہ ایک المیہ ہے کہ آج کل جب ہمیں کفار کی سیاسی غلامی سے آزاد ہوئے ۳۴ سال گزر چکے ہیں۔ ہم آج بھی ملی یکجہتی کی بنیادیں تلاش کر رہے ہیں۔ اُن کی ترجیحات اور تقاضوں پر بحث کر رہے ہیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ہم ملی یکجہتی کی اتنی مقدار سے بھی محروم ہو چکے ہیں، جو ہمیں تشکیلِ پاکستان کے وقت حاصل تھی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم گذشتہ ۳۴ سال سے کسی راہرو پشت بہ منزل کی مانند اپنی منزل سے مخالف سمت میں سفر کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب منزل کے نشانات بھی معدوم ہو رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس بھٹکے ہوئے قافلے کے ہمراہی بھی شکستہ پا اور مایوس ہو کر ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے بنگالی بھائی یہ کہہ کر چلے گئے کہ اگر تمہارے یہی لیل و نہار رہیں تو ہم تمہارے ساتھ مزید قدم ملا کر چلنے سے باز آئے اور ایسی ہی مایوسی کی آوازیں اور بھی سُننے میں آتی رہتی ہیں، لیکن ہم اپنے آپ کو یہ فریب دینے سے بالکل باز نہیں آتے کہ ہماری سمتِ سفر درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سفرِ زندگی میں ایک گم کردہ راہ مسافر کی مانند ہیں۔ اِس سلسلے میں چند اُمور غور طلب ہیں:

ا۔ سب سے پہلے تو یہ بات طے کرنے کی ہے کہ ہم کون لوگ ہیں۔ در حقیقت اس بات کو فراموش کر کے ہم کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہم خود اس حیثیت کو فراموش بھی کریں تو ہمارے چاروں طرف کے دشمن ہماری اس حیثیت کو فراموش کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اس حیثیت کے نتیجے میں ہی ہمیں یہ علیحدہ خطہ ملا ہوا ہے جسے فنا کرنے کے ہمارے دشمن درپے

ہیں۔ اس لیے ہمیں اس حقیقت سے صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اپنی اس حیثیت کو ہمیں مردانہ وار برداشت کرنا ہوگا۔ اور پھر اس حیثیت کے سبب جو کچھ ہم پہ آ لئے اُسے سہنا ہوگا۔

۲— دوسری بات یہ کہ یہ ملک ہم نے فوج کشی کر کے کہیں سے فتح کیا ہے یا عطیہ کے طور پر کسی نے ہمیں دیا ہے یا کسی وراثت میں ہمیں منتقل ہوا ہے یا کسی اُصولی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ۴۷ سال پہلے ہمارا ملّی وجود تو تھا لیکن یہ ملک موجود نہیں تھا۔ ہم نے یہ ملک اپنے اسلامی تشخص کو استعمال کر کے حاصل کیا ہے۔ گویا یہ ہمارے اسلامی تشخّص کا رہینِ منت ہے۔ اگر ہمارا تشخّص اسلامی نہ ہوتا تو نہ ہمارا دعویٰ جداگانہ قومیت کا ہوتا اور نہ ہمیں اس تشخص کے بدلے میں یہ ملک ملتا۔

۳— تیسری بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے جداگانہ اسلامی تشخّص کو منوانے کے لیے کون سی قوّت استعمال کی۔ کیا کوئی اسلامی فوج استعمال ہوئی یا دوسری کسی قوم نے ہماری مدد کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس دلیل میں ہماری جمہوری جدوجہد نے وزن پیدا کیا۔ پوری ملّت خیبر سے راس کماری تک یک جان ہوگئی۔ اور متّفقہ اور متحدہ جمہوری جدوجہد کے ذریعے اپنے جداگانہ تشخّص کا ثبوت فراہم کر دیا۔ اگر صرف پاکستانی علاقے کے مسلمان اپنے لیے جداگانہ ملک کا مطالبہ کرتے، تو اُن کی اس بات کو کوئی تسلیم نہ کرتا۔ جداگانہ قومیت کی دلیل سے جداگانہ مملکت کا جواز صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ ہندوستان کی پوری مسلم ملّت اس کے لیے جدوجہد کرے۔ چنانچہ ہندوستان کی پوری ملّتِ اسلامیہ نے مشترکہ طور پر جمہوری جدوجہد کی تب اُن کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتے ہوئے قوموں کی برادری میں پاکستان کا اضافہ ہوا۔

اس تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پاکستان کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک اسلام اور دوسرا جمہوریت۔ یہ پہیے سلامت ہوں تو ملک سلامت ہے اور یہ پہیے شکستہ ہوں تو ملک کو شکست و ریخت سے بچانا ممکن نہیں ہے۔ انہی کے استحکام پہ ملک کے استحکام کا انحصار ہے۔ انہی دونوں کے امتزاج سے پاکستان کا ہیولہ وجود میں آتا ہے۔

اب سب سے پہلے ہم ملک کو عنم دینے والے اصول یعنی اسلام کی بات کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی حقانیت اور حقیقت سے ملک کے کسی ایک مسلمان باشندے کو بھی انکار نہیں ہے، چنانچہ پہلے ہم مسلمانوں کی اس متفقہ علیہ بنیاد کی بات کرتے ہیں۔

جب ہم اسلام اور اس کے نفاذ و استحکام کی حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہم میں انفرادی لحاظ سے چاہے کیسے کیسے متقی اور دیندار افراد بھی کیوں نہ موجود ہوں، لیکن اجتماعی لحاظ سے ہم ایک مسلسل نفاق کی حالت گزار رہے ہیں۔ ہم اسلام کے "نام" کو مسلسل استعمال کر رہے ہیں، لیکن اس کا "کام" کرنے کے لیے ہم بالکل تیار نہیں ہیں۔ ہم نے ۴۷ سال اسی حال میں گزار دیے ہیں کہ ہم نے بے شمار ڈیم اور پل تعمیر کیے لیکن ہم نے نظامِ اسلامی کی عمارت میں نیک نیتی سے ایک اینٹ بھی سیدھی نہیں رکھی ہے۔ ہمارا طرزِ عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ہم بیک وقت خدا اور خلقِ خدا کے ساتھ وعدہ خلافی اور چال بازی کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا نام تو ہمیں ملک کی تشکیل میں تحریک چلانے کے لیے مدد دے گیا تھا، لیکن اب ملک کی تعمیر و تشکیل و ترقی کے مرحلے میں بھی صرف نام ہی کیسے کام دے سکتا ہے۔ دوا کا نام لینے ہی اگر شفا مل جاتی تو پھر ڈاکٹروں اور میڈیکل کالجوں کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی!

یہی وجہ ہے کہ جب ہم نے ملت کی مشترکہ بنیادی وفاداری کو مضمحل بلکہ منہدم کر دیا ہے تو پھر دوسرے درجے پر دوسری دوسری عصبیتوں اور نئی نئی وفاداریوں کی بنیادوں کا ابھرنا ایک فطری امر ہے اور آج ہم اسی تقسیمِ وفاداری کے بحران سے دوچار ہیں۔

ہماری آبادی کا بہت بڑا حصہ احکامِ الٰہی سے آج بھی بے خبر ہے۔ جب کہ ۴۷ سال سے تمام ذرائع و وسائل ہمارے قبضہ میں ہیں۔ ہمارے ملک میں علانیہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ فسق و فجور میں شب و روز اضافہ ہے اور فی الحقیقت ہم آزاد ہونے کے بعد اپنی اسلامی حالت میں دورِ غلامی کی حالت سے بھی دور جا پڑے ہیں۔ ہم بحیثیت ملت، اسلام کو صرف اپنے اقتدار اور مفاد کے لیے حربے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہم اسے اپنا دین ضرور مانتے ہیں لیکن اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے اس کا کوئی حکم بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ فی الحقیقت جس اصول نے مسلمان

کو جداگانہ تشخص اور پاکستان کو جنم دیا تھا اُس اُصولی زندگی کو ہم نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے دورِ آزادی میں اس حد تک پامال کیا ہے کہ اُس کی سوتعبیریں بن گئی ہیں۔ ہم ملتِ واحدہ کی صورت میں پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ اور اب ہم درجنوں حلقوں میں تقسیم ہیں۔ ہم نے یہ حال اُس محکم بنیاد کا بنایا ہے جس پہ پاکستان کھڑا ہے۔

۲۔ اب ہم پاکستان کی دوسری بنیاد کا تذکرہ کرتے ہیں، جو اس کی یک جہتی اور قوت کا دوسرا سرچشمہ ہے۔ فی الحقیقت جمہوریت ہی ہماری قوت اور اتحادِ عمل کی علامت ہے۔ یہی ہمارا وہ ہتھیار ہے جس کی مدد سے ہم نے یہ ملک حاصل کیا۔ یہی وہ لائحہ عمل ہے جس نے دورِ غلامی میں بھی ہمیں حرّیت اور آزادی کا راستہ دکھایا۔ یہی وہ قرآن کا بنایا ہوا واضح لائحہ عمل ہے جس پہ چل کر مسلمان متحد رہ سکتے ہیں، یعنی اسلامی شورائی نظام جسے دورِ حاضر میں جمہوریت کہتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں بہت سے غیر اسلامی اجزا شامل ہو گئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سیکولرسٹ سرمایہ داروں کے نرغے میں جا کر اس میں اُن کے اثرات شامل ہونا ایک فطری بات تھی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ افلاطون نے تو جمہوریت کے نام پہ ایک بلدیاتی اور پنچایتی نظام کی نشاندہی ہی کی تھی، لیکن جمہوریت کا حقیقی سیاسی نظامِ مملکت، جس کے ذریعے کسی مملکت کا نظام چلایا جا سکے، سب سے پہلے قرآن نے ہی بنی نوعِ انسان کو سکھایا۔ فرمایا: اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ...... "مسلمانوں کے معاملاتِ ملی باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔" اور وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ اور "اے نبیؐ اپنے امورِ مملکت طے کرنے میں مسلمانوں کو مشوروں میں شامل رکھیے"۔ یہ جمہوریت ہے جس کا ہمیں حکم ہے اور جس کے ذریعے ہم نے پاکستان حاصل کیا۔ آمریت میں تحریکِ پاکستان نہ چل سکتی تھی۔

لیکن گذشتہ ۴۰ سال میں ملی یک جہتی کے اس مستحکم ستون کو جس جس طرح ہم نے پامال کیا ہے، شاید اس طرح کوئی دیوانہ ملاح بھی اپنی پتوار نہ توڑتا ہوگا۔

ا۔ جب ملک قائم ہوا تو مشترکہ اور متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں جو مسلمان ممبران تھے وہی پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبران قرار پائے اور جو مسلمان ممبران غیر مسلم ممبران کے چلے جانے کے بعد صوبائی اسمبلیوں میں بیج گئے تھے وہی صوبائی اسمبلیوں کے ممبران قرار پائے۔

حقیقی جمہوری اسپرٹ کے پیش نظر مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے از سر نو انتخابات ہونے چاہییں تھے تاکہ نئے ملک کے نئے حالات میں نئی آبادی کی حقیقی نمائندگی ہوتی ——— جمہوری جذبہ قائم اور بیدار رہوتا، لیکن متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبران والی قومی اسمبلی پاکستان میں چھ سال تک قائم رہی اور صوبائی اسمبلیوں کے جو انتخابات ۵ سال کے بعد ہوئے وہ جمہوریت کی لاش پر وحشیانہ ناچ سے بھی بدتر تھے۔ وہ صرف دھن، دھونس دھاندلی، دھوکا اور دشنام کے انتخابات تھے۔

۲ ——— پھر اکتوبر ۱۹۵۸ سے جولائی ۱۹۶۲ء تک ایوبی مارشل لا رہا۔

۳ ——— پھر جولائی ۱۹۶۳ء سے مارچ ۱۹۶۹ء تک ایوبی سول مارشل لا رہا۔

۴ ——— پھر مارچ ۱۹۶۹ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک یحییٰ مارشل لا رہا۔

۵ ——— پھر دسمبر ۱۹۷۱ء سے اپریل ۱۹۷۳ء تک بھٹو مارشل لا رہا۔

۶ ——— پھر اپریل ۱۹۷۳ء سے جون ۱۹۷۷ء تک جمہوری حکومت رہی لیکن عوام کے نااہل نمائندوں نے اس جمہوریت کو مارشل لا کے جذبہ اور اسپرٹ کے سانچے ہی چلایا۔ اور جمہوریت کو آزادی اور سکون کا سانس تک نہ لینے دیا، جس کے نتیجے میں ایک جمہوری اسلامی تحریک چلی اور اس نے جمہوریت نما آمریت کو اُکھاڑ دیا، لیکن آمریت روپ بدل کر مارشل لا بن گئی۔

۷ ——— اور پھر جولائی ۱۹۷۷ء سے اب تک خالص "اسلامی" مارشل لا جاری ہے اور ظلمات کے اس بحر الکاہل کا ابھی دُور دُور تک کوئی کنارا نظر نہیں آتا۔ آزادی کی اس مدت میں عوام الناس ملی حیثیت سے دو بار متحد ہو کر قربانیاں دے کر آمریت سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کر چکے ہیں اور دونوں بار آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے ہیں۔ یہ حال ہم نے اپنے نوزائیدہ ملک پاکستان میں اس جمہوریت کا بنایا ہے جو پاکستان کے لیے ماں کی مانند ہے جس کی گود میں ہی پاکستان نے جنم لیا تھا۔

اسی جبر کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس میں بے صبری، عدم تحمل اور ملی جذبات کے مقابلے میں ذاتی مفادات کی سوچ بیدار ہو گئی ہے۔ جمہوری پارٹیاں منتشر، غیر منظم، عوام سے دُور اور بے شمار ہو گئی ہیں۔ یہ سب کچھ جمہوریت کو نظر انداز کرنے کے سبب ہوا۔ اگر جمہوریت چلتی

رہتی تو ملک میں یک جہتی پیدا ہوتی۔ عوام کا اجتماعی احساسِ محرومی ختم ہو جاتا اور پاکستان مستحکم، مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر کھڑا ہو کر عالمِ اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن چکا ہوتا۔

میری یہ رائے ہے کہ کوئی مارشل لا اسلامی نہیں ہوتا۔ اسلام کا تصورِ سیاست مارشل لا سے اِبا کرتا ہے۔ اس لیے کسی مارشل لا کی مدد یا ذریعے سے اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس پر ہماری ملت کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ ہماری پوری تاریخ میں مارشل لا ہی رہا ہے۔ اور خلافتِ راشدہ کے بعد ہم سب ملی طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ نظامِ اسلامی نافذ نہیں رہا۔ اسلام صرف شورائیت سے ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلام کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ جمہور کا مذہب ہے اور اسے کسی جمہوری حکومت کے سپرد ہی کیا جا سکتا ہے کہ وہی اس کے نفاذ کا راستہ نکالے۔ اس کے نفاذ کے بارے میں مارشل لا کو مزید تکلیف اُٹھانے کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ محکم ہے کہ اگر ہم نے مزید اسلام کو ملتوی رکھا تو شاید ہمارے جداگانہ تشخص کا جواز بھی عقلاً اور فطرتاً ختم ہو جائے۔

البتہ جمہوریت کا مسئلہ نہایت درجہ اہم ہے اس لیے کہ اسلام کے نفاذ کا راستہ صرف جمہوریت ہے اور دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اورنگ زیبؒ جیسا بادشاہ بھی اپنے ۵۰ سالہ طویل دَورِ حکومت کے باوجود اسلام نافذ کرنے سے قاصر رہا۔ وہ بھی بس زیادہ سے زیادہ قانون کی ایک کتاب عدالتوں کے استفادے کے لیے فتاویٰ عالمگیری مرتب کر سکا تھا۔

اس لیے اسلام کا نفاذ یا تو انقلاب کا مرہونِ منت ہے، جیسے رسولِ اکرمؐ نے اسلامی انقلاب برپا فرمایا تھا۔ اور یا پھر یہ نظام مسلمان عوام کے صالح نمائندوں کی معرفت نافذ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایران میں آج عوام کے منتخب عوامی نمائندوں کی معرفت نافذ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے موجودہ مسائل کا حقیقی حل جمہوریت ہی ہے۔ جمہوریت کے ذریعے ہی ہمارے دوسرے مسائل بھی حل ہوں گے۔ مصائب اور خطرات کے گھرے ہوئے بادل چھٹیں گے اور قوم میں وہ قوت اور توانائی پیدا ہو گی جو خطروں کا مقابلہ کرنے کے لیے قوموں میں موجود ہونا ضروری ہے۔

اس لیے ہماری ترجیحِ اوّل یہ ہونی چاہیے اور حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں سب

سے پہلے اس ملک میں جمہوریت کو بحال کرنا چاہیے، لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے الفاظ میں ہمارے نزدیک کوئی پائیدار اور مستحکم جمہوری نظام اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک ہماری قومی زندگی کے تمام عناصر اخلاص اور ایمانداری کے ساتھ حسب ذیل چھ اُصولوں[1] پر متفق نہ ہوجائیں اور عملاً ان کی پابندی کا فیصلہ نہ کرلیں:

۱۔ اول یہ کہ ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت چونکہ اسلامی نظام چاہتی ہے اس لیے جو لوگ اس سے متفق نہیں ہیں وہ اکثریت کی رائے کے مطابق ملک میں اس نظام کے قیام کو قبول کرلیں اور غیر جمہوری طریقوں سے اس کی مزاحمت چھوڑ دیں۔ خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ جو سازشوں اور مار دھاڑ کے ذریعے پاکستان پر کوئی غیر اسلامی نظریہ مسلط کرنے کی کوشش کریں، اس ملک کے دشمن ہیں اور ملک کے ہر خیر خواہ کا فرض ہے کہ وہ پوری طاقت سے اُن کا مقابلہ کرے۔

۲۔ دوم یہ کہ ملک تمام باشندوں کا ہے نہ کہ کسی خاص طبقے یا گروہ کا۔ اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عام باشندوں کو ملک کے معاملات سے بے دخل کرکے فرمانروائی اپنے لیے مخصوص کرلے۔

۳۔ سوم یہ کہ ملک کا نظم چلانا باشندگانِ ملک کے نمائندوں کا کام ہے اور ملازمینِ حکومت کا کام ان کی ہدایات کے تحت ملک کا انتظام کرنا ہے۔ جو سرکاری ملازمین نمائندگانِ قوم کی اطاعت نہ کرنا چاہتے ہوں یا اُن کی پالیسی سے مطمئن نہ ہوں یا اپنے مخصوص نظریات کو رواج دینا چاہتے ہوں، اُن کے لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ مستعفی ہوکر آئینی اور جمہوری طریقوں سے نظامِ حکومت میں تبدیلی کی کوشش کریں، مگر یہ حق اُن کو حاصل نہیں ہے کہ ملازم رہتے ہوئے خود ایک سیاسی جتھے کی شکل اختیار کرلیں اور جو اختیارات اُنہیں ملک کے انتظام اور دفاع کی خاطر دیئے گئے ہیں، اُنہیں ملک پر قبضہ کرلینے کے لیے استعمال کریں۔

۴۔ چہارم یہ کہ ملک کے صحیح نمائندے صرف وہی ہیں جنہیں لوگ اپنی آزاد مرضی سے

---

[1] استحکام پاکستان کے چھ اُصول (منشور)

منتخب کریں۔ لالچ، دباؤ، دھوکے، دھاندلی اور حکومت کے اثرات سے انتخابات جیتنے والے دراصل غاصب اور جمہوریت کے قاتل ہیں۔ اس ملک کی سیاسی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو عہد کر لینا چاہیے کہ کبھی وہ انتخابات میں نہ خود ان ذرائع سے کام لیں گے اور نہ کسی ایسے شخص یا گروہ کا ساتھ دیں گے جو اپنے ملک اور اپنی قوم کے ساتھ اس غداری کا ارتکاب کر رہا ہو۔

۵۔ پنجم یہ کہ ہر شخص اور ہر گروہ جمہوری و آئینی طریقوں سے اپنے نقطۂ نظر کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس حق پر کوئی پابندی نہ ہونی چاہیے اور اس راستے سے اقتدار تک پہنچنا ہر ایک کے لیے جائز مگر اس کے سوا کسی دوسرے راستے حصولِ اقتدار کی کوشش کسی کے لیے بھی جائز نہیں۔ کوئی شخص اس طرح اقتدار حاصل کرنے پر قادر بھی ہو تو اُسے ملک کی بھلائی کی خاطر اس سے باز رہنا چاہیے۔

۶۔ ششم یہ کہ ملک کا پریس، ریڈیو، ٹی۔وی اور خبر رساں ایجنسیاں وہ ذرائع ہیں جن سے باشندگانِ ملک حالات اور خیالات سے باخبر ہو کر معاملات میں رائے قائم کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو کبھی حقائق پر پردہ ڈالنے اور کسی کے حق میں یک طرفہ پروپیگنڈا کرنے کے لیے استعمال نہ ہونا چاہیے۔ جمہوریت اس کے بغیر نشوونما نہیں پاسکتی کہ عوام اپنے ملک کے حالات سے بھی آگاہ ہوں اور ہر گروہ کا نقطۂ نظر بھی اپنی اصلی شکل میں اُن کے سامنے آتا رہے۔

ان نکات کی روشنی میں تناسب نمائندگی کے اُصول پر عام انتخابات آزادانہ اور منصفانہ بالغ رائے دہی کی بنا پر کروائے جائیں۔ ووٹر پر قدغن نہ ہو اس لیے کہ یہ حق شہریت ہے البتہ نمائندگی میں صفات کا اہتمام کیا جائے۔ چونکہ اسمبلی کا کام ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا اس لیے اسمبلی کی ممبرشپ کے لیے نمائندگی کی ایسی صفات بھی مقرر کی جائیں جو اسلام کو رائج اور نافذ کرنے میں ممدو معاون ہوں۔ ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل اوصاف کے نمائندے نفاذِ اسلام میں مددگار ہو سکتے ہیں اور ایسے ہی لوگ عوام کی حقیقی نمائندگی بھی کر سکتے ہیں اور جمہوریت کو شورائی جذبے کے ساتھ چلا سکتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت میں مسلمان نمائندے

کے اوصاف یہ ہونے چاہئیں۔

۱۔۔۔ وہ عاقل، بالغ اور مسلمان ہوں۔

۲۔۔۔ وہ قرآن و سنّت کے عائد کردہ فرائض کے پابند ہوں۔

۳۔۔۔ وہ شرعی منکرات اور اخلاقی جرائم سے اجتناب کرتے ہوں۔

۴۔۔۔ اُن کی دیانت داری اور امانت داری ہر قسم کے شبہ سے بالاتر ہو۔

۵۔۔۔ وہ عرفِ عام میں صالح اور پاکیزہ کردار کے مالک ہوں ظلم و زیادتی اور حق تلفی کے الزام ان پر موجود نہ ہوں۔

۶۔۔۔ ان پر جھوٹی شہادت دینے کی کوئی تہمت موجود اور ثابت نہ ہو۔

۷۔۔۔ وہ قرآن و سنّت کا مناسب علم رکھتے ہوں جس سے اسلامی اور غیر اسلامی افکار و اعمال کی شناخت کر سکتے ہوں۔

۸۔۔۔ وہ جدید علوم میں مناسب دسترس اور حالاتِ حاضرہ سے مؤثر آگاہی رکھتے ہوں۔

۹۔۔۔ مُلکی دستور اور قانون سے اُن کی آگاہی قابلِ لحاظ ہو۔

۱۰۔۔۔ وہ صاحب الرائے صاحب بصیرت، اور معاملہ فہم ہوں۔

۱۱۔۔۔ اُن کی ملی وفاداری اور حب الوطنی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہو۔

۱۲۔۔۔ وہ حکومت کے کسی منفعت بخش منصب پر فائز نہ ہوں۔

ان صفات کے نمائندوں کے ساتھ جو قومی اسمبلی یا مجلسِ شوریٰ منتخب ہوگی۔ وہ نفاذِ اسلام میں بھی مخلص ہوگی اور اس کا عظیم پر قادر بھی ہوگی۔ غرض اسلام اور جمہوریت کا مخلصانہ نفاذ" یہی دو بنیادیں ۔۔۔۔۔ ملی یک جہتی کی حقیقی بنیادیں ہیں۔ جس روز یہ دو بنیادیں مستحکم ہو جائیں گی۔ پاکستان کی گاڑی کو وہ دو مضبوط اور مستحکم پہیے مل جائیں گے جس کے نتیجے میں وہ قوموں کی دوڑ میں انشاء اللہ بہت آگے نکل جائے گا۔